UNIVERSAL
LIBRARY
OU_226396
UNIVERSAL
LIBRARY

منکرانِ خدا سے خطاب

از

جناب مولوی سید علی اختر صاحب اختر

طابع و ناشر

۰۹۷۲

مطبع عہد آفرین حیدرآباد دکن

۱م

تہدیہ

اُس خدا پرستی اور خدا شناسی کی عظمت کے اعتراف میں جسکی توفیق اللہ جل شانہٗ نے میرے عمِ محترم قبلہ و کعبہ نواب نثار یار جنگ بہادر کو اپنے فضل و کرم سے عطا فرمائی ہے۔ اور جو خود میرے اجزائے زندگی کے سنوارنے اور میری ناچیز اخلاقی حیثیت کے درست کرنے میں مشعلِ ہدایت کا کام دیتی رہتی ہے میں اپنی اس نظم کو جنابِ ممدوح کے اسمِ گرامی سے معنون کرنے کی عزت حاصل کرتا ہوں۔

ناچیز

سید علی اختر

تقریب

اگر ہم کسی شخص سے کہیں کہ مکان بغیر معمار کے بن گیا' یا کرسی بڑھئی کی محنت کے بغیر خود بخود بن گئی' تو وہ اس بات پر بے اختیار ہنس دیگا۔ اور یقین کرلیگا کہ کہنے والا یا تو مذاق کر رہا ہے یا اسکے دماغ میں کچھ فتور ہے۔ لیکن یہ عجیب ماجرا ہے کہ مکان اور کرسی جیسی حقیر چیزوں کے متعلق جس دعوے کو تمسخر یا حماقت سے تعبیر کیا جاتا ہے' وہی دعوے اتنے بڑے نظام کائنات کے متعلق کیا جارہا ہے' ہنسی سے نہیں سنجیدگی کے ساتھ کیا جارہا ہے۔ اور باوجود اس کے ان مدعیوں کیلئے پاگل خانوں کے دروازے بند ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ یہ سارا عالم کسی صانع کے بغیر بن گیا ہے، کسی خالق کے بغیر پیدا ہوا ہے، کسی مدبر کے بغیر چل رہا ہے، اس حکیمانہ نظام کو کسی حکیم نے قایم نہیں کیا۔ اسکی عظیم الشان قوتوں پر کوئی حکمراں نہیں ہے، اس کے لاکھوں کروڑوں، بلکہ درحقیقت بے شمار مدبرات امور کے عمل میں توافق، یکسانیت، اور اشتراک عمل کسی ایک حاکم اعلیٰ کی حکومت کے بغیر پیدا ہوگیا ہے۔ اتنا بڑا احمقانہ دعویٰ دنیا کے سامنے علی الاعلان پیش کیا جاتا ہے اور ادعائے تعقل و تفلسف کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے مگر حیرت کا مقام ہے کہ دنیا اس پر حقارت کا قہقہہ لگانے کے بجائے اس کے ابطال کے لئے دلائل کی طالب ہوتی ہے، حالانکہ کائنات کا ایک ایک ذرہ اور خود مدعیوں کا وجود اسکا ابطال کر رہا ہے۔ اسمیں شک نہیں کہ انسانی علم کی بنیاد جس پر ہے اُسی کے ذریعہ وہ اشیاء کا ادراک کرتا ہے، مگر اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ موجود صرف وہی چیز ہے جس کو انسان براہ راست محسوس کرتا ہو۔

ہمارے محسوسات کا دائرہ نہایت محدود ہے ہم چند میل سے زیادہ فاصلہ کی چیز نہیں دیکھ سکتے، چند میل سے زیادہ دور کی آواز نہیں سن سکتے، چند گز سے زیادہ فاصلہ کی بو نہیں سونگھ سکتے، اور جب تک کوئی چیز جسم سے بالکل لگ نہ جائے نہ اسکو چھو سکتے ہیں اور نہ چکھ سکتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ اتنے محدود دائرے میں جو اشیاء بلاواسطہ ہمیں محسوس ہوتی ہیں وہ بہت ہی تھوڑی ہیں، اور کوئی بے وقوف سے بیوقوف شخص بھی یہ اعتقاد نہیں رکھ سکتا کہ ان اشیاء محسوسہ کے سوا دنیا میں کوئی شئے موجود ہی نہیں ہے۔ ان محسوسات کے علاوہ دنیا کی بے شمار ایسی چیزیں ہیں جن کے وجود کا ہم یقین رکھتے ہیں اور اس یقین کیلئے یہ ضروری نہیں ہوتا کہ وہ سب کی سب حس و مشاہدہ میں آجائیں خود محسوسات میں بے شمار ایسی چیزیں ہیں جنکا براہ راست احساس کئے بغیر ہم محض عقل سے ادراک کرتے ہیں۔ دیوار کے پیچھے کی

آواز کو سنکر آواز دینے والے کے وجود کا ادراک، دھوئیں کو دیکھ کر آگ کے وجود کا ادراک، مکان کو دیکھ کر بانی مکان کے وجود کا ادراک اسی قبیل سے ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ مجرد حس پر بھروسہ کیا جائے تو ایک شئے کے احساس سے دوسری شئے کا احساس لازم نہیں آتا۔ پھر ان حواس کی فراہم کی ہوئی معلومات سے ہماری عقل بے شمار ایسی چیزوں کا ادراک کرتی ہے جو محسوس نہیں ہیں کشش زمین کو کسی نے نہ دیکھا نہ سنا نہ چکھا، نہ چھوا، نہ سونگھا۔ مگر زمین کی طرف اشیاء کے انجذاب کو دیکھ کر عقل اس کے وجود کا ادراک کرتی ہے اور ہم اس پر یقین کر لیتے ہیں زمین آب و ہوا اور حرارت شمس کی نشو و نمو دینے والی قوتوں کو کسی نے حواس سے محسوس نہیں کیا؟ مگر محسوسات میں اسکے مظاہر دیکھ کر عقل اس کے وجود کا یقین دلاتی ہے، اور ہم اس پر ایمان لے آتے ہیں خود ہمارے بدن کی قوت مدبرہ جسکو طبیعت سے موسوم کیا جاتا ہے ایک غیر محسوس شئے ہے، مگر اس کے افعال و اثرات دیکھ کر عقل

یہ نتیجہ نکالتی ہے کہ ایسی کوئی قوت ضرور موجود ہے' اور اس نتیجہ سے ہم کبھی انکار نہیں کرتے۔ پس جب وہ بے شمار اشیا جو واقعی محسوسات سے ماورا غیر محسوسات' اور ان سے ماورا، خالص معقولات پر مشتمل ہیں' غیر محسوس ہونے کے باوجود موجود ہیں' اور انکے وجود سے انکار کی جرأت نہیں کیجا سکتی تو سمجھ میں نہیں آتا کہ خدا کے معاملہ میں احمق انسان کو اسقدر اصرار کیوں ہے کہ جب تک اسے حواس سے محسوس نہ کرلیگا اس کے وجود پر ایمان نہ لائیگا۔

واقعہ یہ ہے کہ جہاں تک مجرد وجود باری تعالیٰ کا تعلق ہے اس کے مظاہر اسقدر روشن' نمایاں' اور بے حساب ہیں کہ عقل سلیم اس تک پہنچنے سے ہرگز عاجز نہیں ہے۔ مگر اصلی گمراہی کا سبب یہہ ہے کہ انسان اسی عقل سے اسکی حقیقت اور حکمت کا راز معلوم کرنیکی کوشش شروع کردیتا ہے اور چاہتا ہے کہ وہ غیر محدود ہستی اس کے محدود پیمانۂ فکر و عقل میں سما جائے۔ لیکن جو عقل اس عزوجل کے بنائے ہوئے ایک ذرہ

اور ایک پستہ کی حقیقت کا بھی کلی ادراک نہیں کرسکتی جو عقل اس ادنی سے معمہ کو بھی سلجھا نہیں سکتی کہ ایک ماشہ بھر کے بیج سے کیونکر ایک تناور درخت پھوٹتا ہے اور اسی ایک مادہ سے لکڑی۔ چھال پتے۔ رگیں۔ ریشے۔ پھل۔ پھول۔ رنگ۔ مختلف ذائقے اور مختلف رائحے پیدا ہو جاتے ہیں۔ وہ پوری کائنات کے بنانے والے کی حقیقت کو کیونکر سمجھ سکتی ہے، اور اسکے چھوٹے سے کوزے میں اسکی معرفت کاملہ کا بحر ناپیدا کنار کسطرح سما سکتا ہے۔ یہی مقام ہے جہاں پہنچکر انسانی عقل حیران و سرگردان ہو جاتی ہے۔ اور یہیں سے جحود و انکار کا آغاز ہوتا ہے لیکن اگر انسان عقل و دماغ سے اس گتھی کو سلجھانے کے بجائے اپنے دل کی آنکھیں کھولے اور وجدانی احساسات سے اسکو محسوس کرنیکی کوشش کرے تو یہ الجھن خود بخود رفع ہو جاتی ہے ممکن ہے کہ اسے اپنی روح کی قوتوں سے پرواز کر کے معرفت کی کسی خاص رفعت تک پہنچنے کا موقع بھی ملجائے تاہم اگر ایسا نہو

تب بھی کم از کم اتنا ضرور ہوگا کہ اسے جستجو کی حیرانی سے نجات ملجائیگی اور عقل صحیح کی روشنی میں وجود ذات کا جو علم اسے حاصل ہوا ہے وہی ایمان کی صورت اختیار کرکے اسکے لئے باعث اطمینان و تسلی ہوجائیگا۔

یہی مضمون ہے جسکو اس نظم میں بیان کیا گیا ہے۔ اگر اس پر کوئی متکلم یا فلسفی کلام کرتا تو غالباً اسکو معقولات کے سارے آلات و اسلحہ اس میدان جنگ میں جمع کرنے پڑتے، وہ منطقی طرز استدلال سے مقدمات کو ترتیب دیکر صورت قیاس قائم کرتا، برہان، جدل، خطابت، یا سفسطہ کی قسم میں سے کسی قسم کے مواد کو جمع کرتا۔ مخاطب کی حجتوں کو اپنے براہین کی پیہم ضربوں سے توڑتا۔ اولیات، نظریات، حدسیات، مشاہدات، تجربیات، متواترات غرض تمام یقینیات کے انبار لگا دیتا۔ اور آخر میں کہتا کہ، مدعیٰ ثابت ہے کیونکہ اگر مدعیٰ ثابت نہیں ہے تو نقیض مدعیٰ ثابت ہوگا۔ لیکن نقیض مدعا کا اثبات محال کا اثبات ہے۔ اور محال کا اثبات ناممکن ہے۔ لہذا مدعیٰ ہی ثابت ہے،

ورنہ ارتفاع نقیضین لازم آئیگا۔ اسطرح ایک اچھی خاصی مجلس مناظرہ گرم ہوجاتی۔ لیکن ایک شاعر کا انداز بیان اور طرز استدلال منطقی سے مختلف ہوتا ہے وہ دماغ کو خطاب نہیں کرتا، بلکہ دل کو خطاب کرتا ہے وہ محال کے لازم آجانے کا خوف دلاکر مقابل کو چپ کرنیکی کوشش نہیں کرتا۔ بلکہ چند دل کو لگنے والی باتیں جمع کرتا ہے جنھتے ہوئے انداز بیان میں انہیں پیش کرتا ہے، اور شعر و نغمہ کے ذریعہ نشاط پیدا کرکے سمع و قبول کے انہی دروازوں کو کھلوا لیتا ہے جو منطق کے سامنے بند ہوتے ہیں، یا اگر کھلتے بھی ہیں تو دل کی جانب نہیں بلکہ دماغ کی طرف کھلتے ہیں متکلم اپنی بحث کی ابتدا ایسے مقدمات سے کرتا جو حریف کے نزدیک بھی مسلم ہوتے ہیں مگر شاعر کو دیکھو کہ اس نے یہ راہ چھوڑ کر سب سے پہلے حریف کے سامنے صاف اقرار کیا ہے کہ اول اول میں خود بھی تمہارا ہم خیال تھا، اور مجھ پر بھی وہی دور گذر چکا ہے

جس میں تم اب مبتلا ہو یا قرار پہلی نفسیاتی ضرب ہے جو ذہن سامع پر لگتی ہے۔ اس کا قدرتی اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ شاعر کے کلام کو ایک واقف کار کے کلام کیطرح سنتا ہے اور خود بخود نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ جو شخص اس کوچہ سے گذر چکا ہے وہ اس کے نشیب و فراز اور پیچ و خم سے ضرور آگاہ ہوگا۔ اور جب اس نے اس مقام کی بود و باش ترک کی ہے تو ضرور کوئی کمزوری دیکھی ہوگی شاعر اپنی اس ضرب کے قدرتی اثر کو محسوس کر لیتا ہے۔ اور فوراً اس سے فائدہ اٹھا کر دل میں ایک چٹکی لیتا ہے تاکہ سننے والے کو ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہو جائے کہ جب وہ الحاد و انکار کی حالت میں مبتلا تھا تو اسکی زندگی کسقدر تلخ تھی چنانچہ کہتا ہے۔

تمہیں خبر ہے کہ میں سمجھتا ہوں کیا ان اوقات زندگی کو
وہ خود پرستی کے تلخ لمحے کہ زہر ہیں نفس آدمی کو
وہ میرے دل کی تجلیوں کو غبار ظلمت بنا رہے تھے

وہ میرے اجزائے زندگانی پہ موت کیطرح چھا رہے تھے

چمن کے سینے میں گرچہ روح تبسم فصل گل رواں تھی
مگر مری شب پرستیوں پر ضیائے حسن سحر گراں تھی
ہزار عرش اپنے بازوؤں پر اگرچہ فطرت اٹھا رہی تھی
تلاش ناکام مجھکو لیکر عمیق غاروں میں جا رہی تھی

یہہ حالت جس موثر اور پر درد انداز میں بیان کی گئی ہے اس کو سنکر اضطراری طور پر ایک منکر یہ سوچنے لگیگا کہ کہیں وہ خود بھی اس حالت میں مبتلا نہ ہو۔ اور جب وہ فی الواقع اپنے دیدۂ دل پر ایک پردہ سا پڑا ہوا محسوس کریگا تو بے اختیار اسکا جی یہ چاہیگا کہ یہ پردہ کسی طرح اُٹھے اور جن جلووں سے میری نگاہ محروم ہے وہ کسی طرح سامنے آجائیں۔ جب شاعر اس طریقے سے سامع کے دل میں راہ حق کی چٹک پیدا کر چکتا ہے۔ تو اس کے بعد اصل موضوع کی طرف قدم بڑھاتا ہے۔ اور قاعدہ کے مطابق

منکرین کے ان خیالات کو نقل کرتا ہے جنکی اسے تردید کرنی ہے
مگر یہاں پھر اس کی راہ فلسفی و متکلم کی راہ سے الگ ہوجاتی ہے
متکلم اس موقع پر منکرین کے عقلی دلائل کو نقل کرتا کیونکہ اس کی
رائے میں انکار کی بنا یہی دلائل ہیں اور ان کو توڑ دینے سے
انکار رفع ہوجاتا ہے۔ مگر شاعر سرے سے عقلی دلائل کیطرف توجہ
ہی نہیں کرتا، وہ اس کا قائل نہیں کہ اُنکے انکار کے اصلی محرک
یہ عقلی دلائل ہیں بلکہ اسکے نزدیک ذہن کی ایک الجھن نے اُن لوگوں کو
انکار پر آمادہ کیا ہے اور پھر عقل نے اس انکار کی تائید میں دلیلیں پیدا
کردی ہیں اس لئے وہ مسبب کو چھوڑکر خود سبب کی طرف بڑھتا ہے۔
اور کہتا ہے کہ یہ محض تخلیق کا عقدہ لاینحل، اور کارگاہ عالم کے گوناگوں
کرشموں کا معما ہے جسکو حل کرنیکی فکر نے انسانی دماغ کو اپنے اندر
الجھا رکھا ہے۔ یہ بے پایاں کائنات کہاں سے آئی اور کیونکر پیدا
ہوگئی؟ کسطرح اِن بے حساب جلووں اور رنگ برنگ کی صورتوں سے

سج گئی ؟ پھر اسمیں یہ کون و فساد کا سلسلہ کیا ہے ؟ ہر آن ہماری عقل، توقعات اور خواہشات کے خلاف امور کیوں پیش آتے ہیں؟ بہار خزاں پر کیوں غالب آتی ہے ؟ حق پر باطل کو کیوں فتح نصیب ہوتی ہے ؟ خوبی کو برائی کے مقابلہ میں، حسن کو قبح کے مقابلہ میں، عیب کو صواب کے مقابلہ میں کیوں کامیابی حاصل ہوتی ہے ؟ یہ اور اس قسم کے بے شمار سوالات ذہن میں پیدا ہوتے ہیں، مگر ان کا کوئی معقول جواب نہیں ملتا آخر انسان گھبرا کر کہہ اٹھتا ہے:۔

یہ ہر طرف ابتری ہے کیسی یہ محشر فتنہ ساز کیا ہے
خدا اگر ہے تو اس ہجوم ملال و عبرت کا راز کیا ہے

اس طرح مرض کی تشخیص کرنے کے بعد شاعر اس کے علاج کیطرف توجہ کرتا ہے، مگر یہاں بھی طرز استدلال متکلمانہ کے بجائے وہی شاعرانہ ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ تمہاری عقل، خدا تو درکنار، کائنات کے

ایک ذرے کی حقیقت کو بھی سمجھنے سے قاصر ہے، پھر جب تم بے شمار موجودات عالم کی حقیقت کو نہ سمجھنے کے باوجود ان کے وجود سے انکار نہیں کرتے، تو اسی نارسی عقل کی بنا پر وجود خدا کی تکذیب کیوں کرتے ہو؟ اس مضمون کو شاعر نے جس بلیغ انداز میں بیان کیا ہے وہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ کہتا ہے۔

اگر یہ سچ ہے کہ عقل اب نارسی کی حد سے گذر چکی ہے
تمام وا ہو چکے ہیں عقدے کہ زلف دوراں سنور چکی ہے
کوئی بتائے کہ پختہ کاران عقل بھیدان کا پا سکے ہیں
نمو کے جو بیشمار چشمے زمین کی تہ سے ابل رہے ہیں
کسی نے سمجھے ہیں راز اب تک چمن کی سرشار ہستیوں کے
کسی نے پائے ہیں بھید اب تک بہار کی مے پرستیوں کے

اس سلسلہ کو پھیلا کر جب وہ عقل سے خود اسکی عاجزی کا اقرار کرا لیتا ہے تو زور کے ساتھ کہتا ہے۔

کہ باہمہ عجز عقل پھر بھی کریں جو تکذیب ہم خدا کی
کمال دانشوری تو کیا ہے دلیل ہے جہل نا سزا کی

شاعر اس پر بس نہیں کرتا بلکہ اس گرم گرم چوٹ پر چابک دستی کیساتھ ایک اور ضرب لگاتا ہے تاکہ عقل و خرد کے پندار میں جو کچھ جان باقی رہ گئی ہو وہ بھی نکل جائے۔ کہتا ہے کہ علوم انسانی کے ہزارہا شعبے ہیں اور ان میں سے ایک ایک شعبے کا یہہ حال ہے کہ لوگ اس کی تحقیق و تفتیش میں پوری پوری عمریں صرف کر دیتے ہیں تب جاکر کچھ نظر پیدا ہوتی ہے۔ آج دنیا میں کوئی بڑے سے بڑا عالم بھی ایسا نہیں ہے جو تمام علوم پر حاوی ہو اور جسکی عقل و فہم نے علم و حکمت کے تمام جزئیات و کلیات کا احاطہ کر لیا ہو۔ پھر جب تمہارے دماغ کی فضا اسقدر تنگ ہے تو کیونکر ممکن ہے کہ کائنات عالم کے تمام اسرار تمہاری سمجھ میں آجائیں اور تمہاری محدود عقل غیر محدود علم حقیقت کی حامل بن جائے اس وسیع مضمون کو شاعر نے جس دل نشین پیرایہ میں بیان کیا ہے

اسکا لطف اٹھانیکے لئے پانچوین بند کو بغور پڑہو، اور دیکھو کہ شعر کی زبان نے ایک پوری کتاب کے مبحث کو کسطرح چند لفظوں میں ادا کیا ہے۔

اب یہ اعتراض باقی رہجاتا ہے کہ دنیا میں بے شمار ایسے معاملات دن رات پیش آتے ہیں جو سراسر خلاف عدل و مصلحت معلوم ہوتے ہیں۔ اگر کوئی حکیم و دانا ہستی اس کارخانہ پر حکمراں ہوتی تو یہ بدنظمی ہرگز نہ ہوتی شاعر اس کا جواب یہ دیتا ہے کہ دنیا کے جو معاملات تمہاری عقل یا خواہشات کے خلاف ہیں انکے متعلق یہ خیال کرنا کہ ان میں کوئی حکمت و مصلحت ہی نہیں ہے ایک غیر معقول بات ہے جسطرح تم ایک شفیق باپ ہونیکے باوجود اپنے بچے کو مارتے ہو اور اسمیں ایک مصلحت پوشیدہ ہوتی ہے جس طرح ایک جراح مریض کا ہمدرد ہونیکے باوجود اس پر نشتر چلاتا ہے اور اسمیں ایک حکمت مستور ہوتی ہے، جسطرح ایک سلطنت رعایا پر مہربان ہونیکے باوجود تعزیر و قصاص کے قوانین نافذ کرتی ہے

اور اسمیں ایک فائدہ متصور ہوتا ہے، بالکل اسی طرح کائنات عالم میں بہار و خزاں، نشیب و فراز، کون و فساد، موت و حیات کا جو سلسلہ جاری ہے اس سب میں کوئی نہ کوئی مصلحت ضرور ہے، مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ اس مصلحت کو ہم سمجھ بھی لیں اور اگر وہ سمجھ میں نہ آئے تو خواہ مخواہ اس نظام کائنات کو لغو اور عبث خیال کر لیں۔

اس بحث میں جس موقع پر شاعر نے بظاہر خلاف مصلحت نظر آنے والے معاملات کی مصلحتوں پر روشنی ڈالی ہے وہاں شعر و حکمت گلے ملتے نظر آتے ہیں۔ کہتا ہے۔

بہار گلپوش آتش افگن خزاں میں تبدیل ہو رہی ہے
مگر تمہیں کیا خبر کہ اسمیں چمن کی تکمیل ہو رہی ہے
تمہاری پستی کا راز سوچو ہوس ہے گر سربلندیوں کی
کہ خودشناسی کی تہ میں پنہاں کلید ہے فتح مندیوں کی
حیات خوش مرگ تلخ سب میں غرض کوئی مصلحت ہے پنہاں

کہ رہنمائے شگفتگی ہے چمن کا شیرازۂ پریشاں
یہ منتشر کائنات وقفِ ارادۂ انتظام بھی ہے
جسے سمجھتے ہو ابتری تم اسی میں اس کا نظام بھی ہے

ان دلائل سے منکرین کے حجابات نظر کو چاک کر دینے کے بعد شاعر اپنی طرف سے وجود باری کے اثبات میں دو دلیلیں پیش کرتا ہے اور دونوں دل کو لگنے والی ہیں اسکی پہلی دلیل یہ ہے کہ انسان کی فطرت خدا کو ڈھونڈ رہی ہے جب سے انسان پیدا ہوا ہے یہم خدا کی تلاش میں ہے۔ اور کسی نہ کسی صورت میں اسکی پوجا کر رہا ہے۔

یہ تلاش بے وجہ نہیں ہے دراصل روح کی آنکھیں گلشن ہستی کی پتی پتی میں ایک جلوہ کو دیکھ رہی ہیں، دل کے کان کائنات کے ذرہ ذرہ کی خاموش زبان سے ایک پیام سن رہے ہیں۔ فطرت سلیمہ کے لطیف و نازک وجدانی احساسات پر ہر آن ہر جہت سے کچھ نرم نرم ضربیں پڑ رہی ہیں، اور ان سب تجلیوں صداؤں

اور ضربوں نے اسے اسطرح بے چین کر رکھا ہے کہ وہ اس ہستی کو دیوانہ وار تلاش کر رہا ہے جو نظروں سے اوجھل ہے مگر ہر وقت پہلو میں گدگدا رہی ہے۔

کسی نے سمجھا کہ سینہ سنگ میں یہ رنگیں نوا چھپی ہے
کسی نے آبِ رواں کے شیریں سروں میں اسکی تلاش کی ہے
کسی نے سورج کی شوخ کرنوں کے رقص میں اسکی جستجو کی
کسی نے آتش کو سوچ انوار جانکر اس کی آرزو کی
خدا نہیں گر تو پھر تلاش خدا میں یہ کارزار کیوں ہے
اگر یہ فطرت نہیں تو انسان کی روح پھر بیقرار کیوں ہے

دوسری دلیل یہ ہے کہ وہ نفوس قدسیہ جنہوں نے حق کی تلاش میں اپنی عمر کے بہترین لمحوں کو قربان کیا، اپنے نفس کی بے شمار لذتوں کو تج دیا، غور و فکر، گیان دھیان، مجاہدہ و مراقبہ میں عمریں صرف کر دیں ایک زبان ہو کر خدا کے وجود کی شہادت دیتے ہیں

ان لوگوں کی زندگیوں میں ہمیں کذب و افترا کا نشان تک نہیں ملتا صرف یہی نہیں کہ خود انکی زندگیاں معصیت کی آلودگی سے پاک ہیں بلکہ ان کے فیض و ہدایت نے دوسرے ابنائے نوع کو بھی بہمیت کی سطح سے اُٹھا کر انسان اور انسانیت کی سطح سے بلند کر کے انسان کامل بنا دیا ہے۔ اس لیے کوئی وجہ نہیں کہ ہم ان کو جھوٹا اور فریبی سمجھیں۔

جو ہر برائی سے احتراز اتم کی راہیں تبا رہے ہوں
ہزار صبر آزما مصائب شعار حق میں اٹھا رہے ہوں
ضمیر انسانیت کو باطل کی ظلمتوں سے بچانے والے
جو نشر حق کے لئے بنے ہوں وہ کیا کسی کو فریب دینگے
ہزار ہو ہر بلندی نشیب آخر نشیب ہوگا
وہ خیر ہی کیلئے سہی پھر فریب آخر فریب ہوگا

یہ اس مسئلہ کی ایک مختصر تشریح ہے۔ اب قاعدۂ عام کے مطابق

میرا دوسرا کام یہ ہونا چاہیے تھا کہ نظم کی زبان و انداز بیان پر شاعرانہ نقطۂ نظر سے بتصرہ کرتا، مگر میں اس سے معافی چاہتا ہوں کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ دوستانہ جنبہ داری سے احتراز کی کوشش میں شاید میں اپنے دوست سے انصاف نہ کرسکوں گا۔ تاہم میں کسی خوف کے بغیر اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ علی اختر صاحب اُن لوگوں میں سے ہیں جو خیال کی نزاکت، فکر کی گہرائی، نظر کی وسعت اور بیان کی بلاغت کے اعتبار سے ہندوستان کے جدید شعرا کی صف اول میں کھڑے ہونیکے قابل ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ نہ انکی بے نیازی اپنے جوہر کی تشہیر پسند کرتی ہے، اور نہ انکی قوم میں اب وہ جوہر شناسی باقی ہے کہ انکے کمال کی از خود قدر کرے۔ فقط

ابوالاعلیٰ مودودی

سابق ایڈیٹر رسالہ الجمعیۃ دہلی

منکرانِ خدا سے خطاب

گذر چکا ہے وہ دور مجھ پر بھی جس میں اب تم گھرے ہوئے ہو
خدا سے غافل خودی کے بندے حقیقتوں سے پھرے ہوئے ہو

تمہیں خبر ہے کہ میں سمجھتا ہوں کیا؟ ان اوقات زندگی کو
وہ خود پرستی کے تلخ لمحے کہ زہر ہیں نفس آدمی کو

وہ میرے دل کی تجلیوں کو غبار ظلمت بنا رہے تھے
وہ میرے اجزائے زندگانی پہ موت کی طرح چھا رہے تھے

چمن کے سینہ میں گرچہ روح تبسم فصل گل رواں تھی
مگر مری شب پرستیوں پر ضیائے حسن سحر گراں تھی

ہزار عرش اپنے بازوؤں پر اگرچہ فطرت اٹھا رہی تھی

تلاش ناکام مجھکو لیکر عمیق غار و نمیں جا رہی تھی
مری نگاہوں میں بے حقیقت نشاط جاوید کے خزانے
مری سماعت پر اک نوائے گراں نشیں سرمدی ترانے
مگر وہ حالت بدل چکی ہے وہ اب زمانہ گذر چکا ہے
تاثرات خودی سے لبریز تھا جو نشہ اتر چکا ہے
اب ان حقائق سے تم سبق لو یہ راز میری نظر سے پوچھو
جو آب حیواں کی جستجو ہے تو بھید اسکا خضر سے پوچھو
کہ مدتوں میں رہا ہوں سرشار نشۂ بادۂ خودی میں
بہ ظاہر آزادہ کار لیکن خدائے باطل کی بندگی میں
اگرچہ اک واقعہ ہے لیکن بہت گراں ہے بیان اسکا
وہ وقت اب جسکے یاد کرنیسے کانپ جاتا ہے قلب میرا
جو تیرگی رہگئی ہے باقی حریم دل میں وہ دور کردے
کریم! اپنے کرم کا صدقہ معاف میرا قصور کردے

یہ میں نے مانا کہ ایک مدت سے کر رہی ہے تلاش دنیا
مگر "یہ خلقت" ہے راز ایسا جسے کوئی آج تک نہ سمجھا

اگرچہ انساں بہت ہوئے ہیں پیام فطرت سنانے والے
رہ حقیقت دکھانے والے خرد کی شمعیں جلانے والے

مگر ابھی تک کسی نے کھولا نہ قلب ہستی پہ راز اس کا
رہا ہے انسان کی دسترس سے بعید تر امتیاز اس کا

نہ صرف تخلیق ہے وہ عقدہ دماغ جس میں الجھ رہا ہے
طلسم ہے اک طلسم دنیا کہ ہر نفس دانش آزما ہے

کبھی کوئی شئے لباس حق میں حیات کا درس دے رہی ہے
کہیں حقیقت کو دیکھتے ہیں کہ آخری سانس لے رہی ہے

بہت شیاطین انس جنکا ہر اک نفس زہر اگل رہا ہے
بہت ہیں ایسے نفوس قدسی جنہیں زمانہ کچل رہا ہے

ہوا کہیں کشتگان حسرت کی شمع محفل بجھا رہی ہے

اجل کسی نوجوان صالح کا نقش ہستی مٹا رہی ہے

وہی کلی، زینت گلستاں جو شب کے دامن میں کھل چکی تھی
اُسی کو دیکھا کہ صبح ہونے سے قبل مٹی میں مل چکی تھی

ابھی جہاں بارش طرب تھی۔ حسین غنچے چٹک رہے تھے
پلک جھپکتے! اُسی چمن میں خزاں کے شعلے لپک رہے تھے

جسے زمانہ کی سادہ لوحی، پیام عشرت سمجھ رہی تھی
کہُلا، کہ آواز جوئے خوں، یا مہیب جھنکار تیغ کی تھی

یہاں وہ انساں نما درندے! فروغ ہر سمت پا رہے ہیں
جو خون کی بیقرار موجوں سے پیاس اپنی بجھا رہے ہیں

یہ ہر طرف ابتری ہے کیسی، یہ محشر فتنہ ساز کیا ہے
خدا اگر ہے، تو اس ہجوم ملال و عبرت کا راز کیا ہے

حیات آئین منضبط ہے تو کچھ کہیں انتظام بھی ہے!!
خدا ہے گر حکمران عالم، تو کوئی اسکا نظام بھی ہے!!

یہی ہیں وہ اعتراض جنپر خدا سے انکار کی بنا ہے
انہیں کے سایہ میں کفر و الحاد کا جہنم دہک رہا ہے

کہا کسی نے کہ "قوم بزدل" خدا کا اقرار چاہتی ہے
کہ آرزو مند فتح یابی حیات بیدار چاہتی ہے

کوئی توہم کی روشنی کو سمجھ رہا ہے چراغِ منزل
کسی کی آنکھوں پہ ہے حجاب نگاہِ حکمت کا زعم باطل

گمان کیسا کہ اہلِ دانش جو اسے پہلے گذر گئے ہیں
وہ خیر و شر کیلئے مرتب یہاں اک آئین کر گئے ہیں

جو ماہرانِ حیات، رفتار نبض فطرت سمجھ رہے تھے
زمیں پہ اک رب آسمانی کا راز حکمت سمجھ رہے تھے

کہیں یہ طوفان معصیت کی تباہ کن رو میں بہہ نہ جائیں
یہ اسلئے تھا کہ جہاں ہیں انسان نہ بلکے حیوان رہ نہ جائیں

مگر اب اس وادی خطر سے گروہ انسان گذر چکا ہے

جسے مٹانے پہ ہو نہ قدرت یہ نقش اتنا ابھر چکا ہے

بس اب خدا اور اُسکے عزم تلاش سے احتراز کیجے
خیال منزل رہی اگر ہے تو راہ کا امتیاز کیجے

کہ یہ تصور عمل کی آزادیوں کو برباد کر رہا ہے
خدائے گردوں نشیں زمیں پر بشر کی امداد کر رہا ہے

مگر یہ عقل آزما ترانے رہین حسن قبول بھی ہیں
یہ دیکھنا ہے کہ ان دلیلوں کے ہم عناں کچھ اصول بھی ہیں

اگر یہ سچ ہے کہ عقل اب نارسی کی حد سے گذر چکی ہے
تمام وا ہو چکے ہیں عقدے کہ زلف دوران سنور چکی ہے

کوئی بتائے کہ پختہ کاران عقل بھید اُنکا پا سکے ہیں!
نمو کے جو بیشمار چشمے زمیں کی تہ سے اُبل رہے ہیں

کسی نے پائے ہیں بھید انیک بہار کی مے پرستیوں کے
کسی نے سمجھے ہیں راز انیک چمن کی سرشار ہستیوں کے

تمہیں کوئی مل سکا ہے ابتک وہ ماہر فن باغبانی
جو ایک پتی کو بخش سکتا ہو یک نفس تاب زندگانی

طبیب یا رازدان تشریح کوئی ایسا کہیں ہوا ہے
جو صرف اک بوند بھر لہو کے تمام اجزا سمجھ سکا ہے

کھلے ہیں ابتک مقام کتنے، اٹھے ہیں ابتک حجاب کیا کیا
ہر ایک ذرہ میں ایک عالم ہر اک ستارہ میں ایک دنیا

وہ باغ جنکے محیطِ اسرار جنکا ناخن گرہ کشا ہے
وہ عالمان حیات دوراں ذرا بتائیں کہ روح کیا ہے

غرض یہ ثابت ہے جبکہ ہم تلاش اسرار کر رہی ہے
مگر ابھی عقل ما عاجزی کا خود اپنی اقرار کر رہی ہے

بہت ہیں ایسے مقام پہونچا جہاں نہ پیک خیال ابتک
بہت ہیں ایسے پیام سمجھا گیا ہے جنکو وال ابتک

تمہیں نہ ہو اعتراف اسکا مگر نظر تو یہ دیکھتی ہے

کہ ذرے ذرے کے آستاں پر جبینِ انسان جھکی ہوئی ہے،
تو پھر یہ ہنگامۂ تکلم، یہ محشرِ اضطراب کیوں ہے
خدا ہے بیرونِ فہم لیکن خدا سے یہ اجتناب کیوں ہے،
کہ باہمہ عجز عقل پھر بھی کریں جو تکذیبِ ہستِ خدا کی
کمالِ دانشوری تو کیا ہے دلیل ہے جہلِ ناسزا کی
چمن کا ہر پھول ہر شگوفہ دلوں کو بیدار کر رہا ہے
جو غور کیجے تو ذرہ ذرہ خدا کا اقرار کر رہا ہے
یہ اک حقیقت ہے جس سے انکار تم کو بھی غالباً نہ ہوگا
کہ اختلافات سے مرتب کیا گیا ہے مزاجِ دنیا
ہر ایک تارِ رباب میں ہیں چھپے ہوئے بیشمار نغمے
ہر ایک ذرے میں ہیں چمن کے شگوفہ پرور ہزار جلوے
خیال صد رنگ، مختلف ذوق، آرزوئیں جدا جدا ہیں
غرض یہی اختلافِ طبعی حیاتِ دوراں کے رہنما ہیں

اسی طرح ذوق علم و فن ہے بہ حسب پیمانۂ تخیل
کسی کو "منقول" سے ہی نسبت کسی کو "معقول" میں تو غل

کوئی نجوم فلک کے پیچیدہ راستوں سے گذر رہا ہے
نظر جمائے زمیں کے ذروں کی سمت اک غور کر رہا ہے
کسی کو ابر گہر فشاں کی حقیقتیں جاننے کی دُھن ہے
کسی کو برق شرارہ افگن کے راز پہچاننے کی دُھن ہے
کوئی نباتی فضا کے اوراق مختلف کو الٹ رہا ہے
کوئی ہوا کے تمام اجزاء کو جانچنے پر تلا ہوا ہے
حیات عالم کا ایک واقف اکشش کے اسرار جانتا ہے
وجود اشیا کا ایک ماہر اصدا کے ذروں کو چھانتا ہے
غرض کہ ہے اکتساب حکمت مذاق فطرت کی رہبری میں
بہ ورنہ ہے اک راز عریاں کہ اتنی محدود زندگی میں
محال ہے سر بسر کہ وہ سب علوم ہم جن سے آشنا ہیں

اصول دانش جو کاروان حیات عالم کے رہنما ہیں
بتائے درس کمال ہستی علوم و افکار کے خزانے
پیام تکمیل زندگانی رباب عرفان کے سب ترانے
ہزار اسرار ناکشودہ لئے ہوئے مختلف فضائیں
سب ایک نقطہ پہ جمع ہوجائیں اک سفینہ میں ڈوب جائیں

یہ جب ہے ثابت تو علم و فن بھی جو روح ہے پیکر جہاں کی
ہر ایک نقطے میں جس کے روشن ہے شمع اک حسن جاوداں کی
فضا میں جس کی دوام فطرت کی نازنیں مسکرا رہی ہے
جہاں ستاروں کی دیوی سر عقیدت جھکا رہی ہے
نہ جب تک اسکی حقیقتوں کا طریقہ امتیاز جانے
کوئی ضرورت نہیں کہ ہر شخص اسکی باریکیوں کو سمجھے

جہان ہوں ہمت عجز دانش سے یہ نظر آزما دھندلکے
حجابِ نظارۂ حقیقت پڑے ہوئے ہوں جب اتنے پردے

وہاں یہ خود سر خیال بینش غلط نہیں ہے تو اور کیا ہے
تم اسکے صید زبوں ہو تمکو فریب جو نفس دے رہا ہے

کبھی انھوں نے لگا دی ہے حقیقتِ بزم زندگی پر
مٹے ہوئے ہیں جو بیخبر اس تباہ کن نشۂ خودی پر

یہ عقدہ سخت ناخن فکر سے نہ ہرگز سلجھ سکینگے
جو لوگ "آئینِ نظم" سمجھے ہوئے ہیں یہ بھی سمجھ سکینگے

کہ انتظام حیاتِ دوراں نہیں ہے طفلانہ بات کوئی
ہزار اسرار ہیں گھروندا نہیں ہے یہ کائنات کوئی

کتاب ہستی کی شرح کرنا تو پھر بھی اک بات دور کی ہے
اگر تمہاری نگاہ تنظیم خانہ داری سمجھ رہی ہے

تو یہ سمجھنا نہیں ہے مشکل کہ انتظام حیات کیا ہے

یہ محشر اختلاف کیوں ہے یہ شورش کائنات کیا ہے

کبھی ضرورت کا اقتضا ہے کہ اپنی تکلیف تک بھلا دو

کہیں ہو مجبور تم کہ اپنے ہی راحت جاں کو خود سزا دو

کسی کی جانب ہے اسقدر التفات احساں کی بارشیں ہیں

کسی سے اسدرجہ برہمی ہے کہ تلخ تر آزمائشیں ہیں

کبھی بہ احساس شوخ طبعی کسی طرح کا گلا نہیں ہے

کہیں بہ اوصاف صلح جوئی تمہیں کوئی اعتنا نہیں ہے

کچھ اور وسعت ہے گر نظر میں تو سلطنت کا نظام دیکھو

جہان فانی کے پاسبانوں کا شیوۂ انتظام دیکھو

بہت حقائق نہیں گذرتے خواص کی حد مختصر سے

بہت مسائل چھپائے جاتے ہیں عام کی سطح نظر سے

خواص بھی جن سے بے خبر ہوں ہزار ایسے امور بھی ہیں

قریب سے دلفریب منظر جو غور کیجے تو دور بھی ہیں

مدبران جہاں سے فکر عروج و بیخ زوال پوچھو
جو ان معارف سے آشنا ہیں نہیں ہے کچھ انکا حال پوچھو

گراں ہے تم پر اگرچہ نرم و لطیف پودوں کی پائمالی
نمو کے اسرار جان سکتا ہے خود مگر پختہ کار مالی

کسی کی صبر آزما فغاں پر تمہاری آنکھوں سے خون ٹپکا
مگر جو پنہاں ہے بطن فطرت میں تم کو اس راز کی خبر کیا

بہار گلپوش آتش افگن خزاں میں تبدیل ہو رہی ہے
مگر تمہیں کیا خبر کہ اسمیں چمن کی تکمیل ہو رہی ہے

تم اپنی پستی کا راز سوچو ہوس ہے گر سر بلندیونکی
کہ خود شناسی کی تہ میں پنہاں کلید ہے فتح مندیونکی

زوال ہے ایک قوم کا جو وہ دوسری کا عروج بھی ہے
اسی شب تار کے وجود میں سحر کی ضو نکل رہی ہے
حیات خوش مرگ تلخ سب میں غرض کوئی مصلحت ہے پنہاں

کہ رہنمائے شگفتگی ہے چمن کا شیرازۂ پریشاں

یہ منتشر کائنات وقفِ ارادۂ انتظام بھی ہے
جسے سمجھتے ہو ابتری تم اُسی میں اِسکا نظام بھی ہے

رہینِ ایجاد و اختراعِ دماغِ انساں خدا نہیں ہے
یہ کھُل گیا اب کہ صرف "ترویجِ خیر" اک مدعا نہیں ہے

خدا ہے اک "مستقل حقیقۃ" جو خالقِ کائنات بھی ہے
جہانِ فانی کا منتظم بھی ہے حکمرانِ حیات بھی ہے

حریمِ گلزارِ زندگانی کی آپ تزئین کر رہا ہے
"خدا" تصور ہی محض جسکا دلوں کی تسکین کر رہا ہے

جو گوشِ دل سے کبھی سنو گے تو پاؤ گے یہ ازل سے ابتک
کہ اک صدا آ رہی ہے موجِ ہوائے دشتِ جبل سے ابتک

جو روح کی تہ میں سونیوالی حسوں کو بیدار کر رہی ہے
اثر میں ڈوبی ہوئی ہے اتنی دلوں کو سرشار کر رہی ہے
کچھ اس لطافت سے یہ سرود رباب فطرت گذر رہا ہے
کہ ذرہ ذرہ جہان فانی کا آج تک وجد کر رہا ہے
کسی نے سمجھا کہ سینۂ سنگ میں یہ دلکش نوا چھپی ہے
کسی نے جانا کہ موج آب رواں کی تہ سی ابھر رہی ہے
کسی نے سورج کی شوخ کرنوں کے رقص میں اسکی جستجو کی
کسی نے آتش کو "مظہر نور" جان کر اسکی آرزو کی
خدا نہیں گر تو پھر تلاش خدا میں یہ کارزار کیوں ہے
اگر یہ فطرت نہیں تو انساں کی روح پھر بیقرار کیوں ہے
زمیں کی تاریکیوں میں خورشید جلوہ گستر کہاں سے آیا
خدا نہیں گر تو پھر خیال خدائے برتر کہاں سے آیا

جو حاملان پیام حق تھے کچھ انکی طرز حیات دیکھو
جنھوں نے ڈھونڈا جنھوں نے پایا خدا کے راز الوھیت کو

زباں پہ درس ہوش سرتاقدم مگر بیخودی سی طاری
نگاہ پیغام صلح سینہ میں سرفروشانہ بیقراری
غم مسلسل کی تلخ کامی۔ جما ہوا قلب استحاں پر
ہجوم باطل کی سخت گیری صدائے یاحق مگر زباں پر

وہ جنکے انداز بیخبر نے جہاں کو ہشیاریاں عطا کیں
وہ جنکی اک جنبش نظر نے دلونکو بیدائیاں عطا کیں
ازل کے بھٹکے ہوئے گروہوں کو جادۂ حق دکھانیوالے
اشارۂ چشم سے بہائم کو رشک انساں بنانیوالے

وہ جنکی ہر بات معرفت کیلئے اک آئین معتبر ہو
وہ جنکا ہر فعل قدسیت کے اصول محکم کی بہرہ ور ہو
غریب تھا انکا ادعا کیا اگر یہ بازیچۂ زبوں تھا

یہ لوگ سمجھے نہ تھے خدا کو تو اسقدر اعتراف کیوں تھا

جو ہر برائی سے احتراز اتم کی راہیں بتا رہے ہوں
ہزار صبر آزما مصائب شعار حق میں اٹھا رہے ہوں
ضمیر انساں کو باطل افروز ظلمتوں سے بچا نیوالے
"جو نشر حق" کیلئے بنے ہوں وہ کیا کسی کو فریب دینگے
ہزار ہو رہبر بلندی شیب آخر نشیب ہوگا
وہ خیر ہی کیلئے سہی پھر فریب آخر فریب ہوگا

یہ سچ ہے بے امتیاز دانش جو طے نہوں ایسے کام بھی ہیں
سپر جہاں عقل ڈالتی ہے مگر کچھ ایسے مقام بھی ہیں
بہت ہیں وہ مسئلے جنہیں ہم نہ جاننے پر بھی مانتے ہیں
تمہیں بتاؤ کہ تم میں کتنے "کشش" کے اسرار جانتے ہیں
بشر کا میموں نژاد ہونا، طبیعتوں پر گراں نہیں ہے

اگرچہ ہر شخص اس "گمان عجیب" کا راز داں نہیں ہے
غرض ہمیں ماننا پڑیگا علوم ہیں بیشمار ایسے
کہ باہمہ عجز ناشناسی کیا ہے اقرار جنکا ہم نے
نہیں ہے یہ کوئی راز پنہاں کہ اس سے ہر شخص آشنا ہے
ہم اس لئے مانتے ہیں انکو کہ ایک ماہر یہ کہہ رہا ہے
تو اے مخالف، جب اس پہ مبنی ہے اعتراف علوم دنیا
معارف "علم حق" میں انکار کا تجھے حق کہاں سے پہونچا
یہ کسقدر حیرت آفریں ہے کہ عیب اسمیں نکل رہے ہیں !!
جو ماہران رموز باطن خدا کی تعریف کر گئے ہیں۔
ضعیف دل اقتضائے فطرت سے عزم پیکار کر رہا ہے۔
یہ خاک کا اک حقیر تیلا خدا کا انکار کر رہا ہے!!

ہوی وہ فردوس دیرینہ کبھی جو تھی ریگ زار دنیا

عرب کے وہ مضطرب مناظر، عرب کی وہ بیقرار دنیا

رموز حق جب ہوئے نمایاں، جماعت بادیہ نشیں پر

سحاب رحمت نے بڑھکے غنچہ کھلائے تپتی ہوئی زمیں پر

ہوئے وہی رہنمائے منزل کبھی جو گم کردہ راہ بھی تھے

رہ حقیقت سے دور باطل کی ظلمتوں میں تباہ بھی تھے

ابھی جو سیلاب خون انساں سے پیاس اپنی بجھا رہے تھے

وہی پیام سکوں و راحت جہاں کو یہ ہم سنا رہے تھے

کیا حقیقت سے جس نے آگاہ، عظمتیں ہیں تمام اُس پر

فدا بہ فرقش ابی و امی۔ درود اس پر سلام اُس پر

مطبع عہد آفریں

طابع ناشر و کتبی

صدر دفتر :- ترپ بازار روبروئے اکسلیر تھیٹر
شاخ :- ملک پیٹھ - راشد منزل

اگر آپ کو نہایت اعلیٰ اور ارزاں عمدہ طباعت کی ضرورت ہو تو اسکے لئے مطبع عہد آفریں سے زیادہ موزوں دوسری کوئی مطبع نہیں مل سکتا جسمیں ہر قسم کی عمدہ طباعت کا کام سادہ اور مصور اردو انگریزی اور ملکی زبانوں میں نہایت نفاست کے ساتھ کیا جاتا ہے ہم اس بات کا اطمینان دلاتے ہیں کہ کام مقررہ وقت پر اور بعجلت انجام پائیگا۔ اضلاع والوں کیساتھ خاص رعایت کیجائیگی صرف ایک مرتبہ آزمائش کی ضرورت ہے

منتظم
مطبع عہد آفریں
حیدرآباد دکن

خزینۂ تاریخ
طلبہ و اساتذۂ تاریخ کیلئے
تاریخی مضامین کا مجموعہ
(زیر طبع)
من کی بانسری
بہترین اردو نظموں کا
بہترین کتابت و طباعت
(زیر طبع)
مثیل ہنری چہارم
شیکسپیر کے ڈرامہ
"ہنری دی فورتھ" کا
بامحاورہ ترجمہ
قیمت ۸/
مطبع عہد آفرین
طابع، ناشر و کتبی
جو عمدہ کتابت و طباعت کیلئے ملک بھر
میں شہرت حاصل کر چکا ہے، آپ کی ہر قسم کی
علمی خدمتگذاری کیلئے تیار ہے۔ لیتھو اور
ٹائپ کی ہر قسم کی طباعت کے علاوہ تصاویر
کے بلاک ربر کی مہریں اور مانوگرام بھی
تیار ہوتے ہیں فرمایش کا منتظر۔ منتظم مطبع
قسطنطنیہ میں ترکوں کی واپسی
قیمت ... ۱/۸
سلیم
اور شاعری پر تنقید
قیمت ..... عہ/
دولت آصفیہ
اور حکومت برطانیہ
سیاسی تعلقات کی
تاریخ پر ایک نظر
قیمت ۱۲/
خیالات عالیہ
قیمت ۔ عہ/

آخری درج شدہ تاریخ پر یہ کتاب مستعار
لی گئی تھی مقررہ مدت سے زیادہ رکھنے کی
صورت میں ایک آنہ یومیہ دیرانہ لیا جائے گا۔

۲۹۷۵۷۲
۸۴-م

منکران خدا سے خطاب

سید علی اختر صاحب اختر

۷۷
۶
۱۰

کتب خانہ جامعہ عثمانیہ
۱۔ اراکین مجلس اعلیٰ، مجلس عاملہ، مجلس انتظامی، مجالس تعلیمات و نصاب پانچ کتابیں ایک ماہ کے لیے اپنے پاس رکھ سکیں گے۔
۲۔ اساتذۂ جامعہ عثمانیہ و کلیہ جات ملحقہ و دیگر عہدہ داران جامعہ اور اراکین دارالترجمہ دس کتابیں ایک ماہ تک اپنے پاس رکھ سکیں گے۔
۳۔ طلبائے بی۔ اے۔ اور انٹرمیڈیٹ کے طلبہ تین کتابیں، طلبائے ایم۔ اے۔ ایل ایل بی و تحقیقاتی جماعتوں کے طلبہ پانچ کتابیں دو ہفتہ تک اپنے پاس رکھ سکیں گے۔
۴۔ مدت مقررہ پر کتابیں واپس نہ ہوں تو طلبہ سے بحساب ایک آنہ یومیہ فی کتاب جرمانہ لیا جائے گا۔
۵۔ بشرط موقع کتابیں مکرر جاری کی جا سکیں گی مگر اس صورت میں پہلے کتب خانہ میں کتاب کا لانا لازم ہے۔
۶۔ کتابیں گم یا خراب ہو جائیں تو مستعیر ذمہ دار ہوگا۔
۷۔ کتابوں پر کسی قسم کا نشان سیاہی یا پنسل سے نہ لگایا جائے۔
۸۔ قلمی نسخے اور حوالے کی کتابیں جاری نہ کی جا سکیں گی۔ فقط